علامہ راشد الخیری کے افسانوں میں مرکزی کرداروں کا تجزیاتی مطالعہ

(An Analytical Study of the Main Characters in the Fictions of Allama Rashid ul Khairi)

DOI:https://doi.org/**10.54692/**nooretahqeeq.**2024.08012090**

ڈاکٹر سید طاہر علی شاہ

Dr. Tahir Ali Shah
Head o Urdu Department
Northern University, Nowshera

ڈاکٹر محمد الطاف یوسفزئی

Dr.Muhammad Altaf Yousafzai
Head of Urdu Department
Hazara University, Mansehra

Abstract:
Allama Rashid ul Khairi is considered to be a pioneer of Urdu short stories. His work is primarily centered on women's basic and social rights. He was a reformer who conveyed his thoughts and ideas in connection with Islamic teachings through his stories. Essentially, Rashid created various characters to challenge the behavior of a male-dominated society, including characters from feudal systems, the middle class, and the lower-middle class, all aimed at safeguarding women's rights in the early twentieth century in the Indian subcontinent. Main characters of the fictions of Rashid have been critically analyzed in this paper.

Keywords:
Allama Rashid ul Khairi, Musawar-e-Gham, Urdu Fictions, Urdu Short Stories, Urdu Literature, Fiction Characterization, Religious Traditions, Feminism, Social Rights, Women’s Right, Male Dominated Society.

اُردو ادب کی جس صنف نثر کو سب سے زیادہ مقبولیت میسر آئی وہ افسانہ ہے۔ افسانوی ادب کی دوسری اصناف کے مقابلے میں افسانے کی تکنیک و تکمیل کے متعدد رُخ سامنے آئے۔ زندگی کے ہر پہلو کی مختلف زاویوں سے عکاسی کی گئی۔ مختلف اسالیب میں مذہبی، سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور نفسیاتی مضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہر افسانہ نگار

نے اپنی طبعیت کے موافق افسانہ کو اپنے عہد و زمانہ کا آئینہ دار بنایا۔ افسانہ کے ذریعے قلمکار زندگی کو خلفشار و انتشار کے گھیرے سے نکال کر کامیابی کے دھانے پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اعظم کریوی:

"میں مختصر سے مختصر الفاظ میں اچھے افسانے کی یہی پہچان بتا سکتا ہوں کہ اس میں زندگی کو کامیابی کے ساتھ بسر کرنے کا راز مل جائے۔"(۱)

کامیاب زندگی بسر کرنے کا راز ایک جہاندیدہ افسانہ نگار ہی بتا سکتا ہے۔ ایسا افسانہ نگار جو اہلِ دنیا کا عمیق مشاہدہ رکھنے والا ہو؛ جو حساس طبع، دردشناس اور انسانی فطرت و نفسیات سے بخوبی آشنا ہو؛ معاشرے کا نباض، ماحول کا مصور اور فن میں پختہ ہو۔ مذکورہ صفات میں جس افسانہ نگار کا پلہ سب سے بھاری ہے وہ علامہ راشد الخیری کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ آپ نے ایک مبلغ کی طرح عصری حوالے سے عورتوں کے حقوق کے لئے آواز اُٹھائی۔ عورت کی مظلومیت اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف قلم اُٹھایا۔ صنف نازک کی زبوں حالی پر نوحہ گری کی۔ اپنے قلم سے سماج کی ان زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کی جنھوں نے عورت کو محروم و محکوم بنا رکھا تھا۔ عورتوں کو گھرداری کے گرُ سکھلائے۔ عصمت اور حیا کو نسوانی جوہر بتلایا اور معاشرت میں عورت کی عظمت و وقار کو بلند کیا۔ طبقہ نسواں پر علامہ کے ان احسانات کا ذکر احسان اللہ خان صاحب لودھی نے اپنے مضمون "بیسویں صدی کا مصلح اعظم" میں کچھ یوں تذکرہ کیا ہے:

"علامہ مغفور نے نقاشِ ازل کی بہترین شاہکار (عورت) کی تزئین کی۔ صنف نازک کو حُسن باطن کی تربیت دی۔ مغربی اور مشرقی تہذیب کے تصادم میں اماں حوا کی جو گمراہ بیٹیاں معاشرتی، اخلاقی و تمدنی تذبذب میں پھنسی ہوئی تھیں ان کی دستگیری کی۔ جو سچ پوچھو تو طبقہ نسواں کے لیے ایک علیحدہ دنیا قائم کی۔ یہ وہ دنیا ہے جس میں عورت کو مکمل شرعی آزادی حاصل ہے۔"(۲)

علامہ ایک عظیم مصلح بھی تھے۔ انھوں نے اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا اُٹھایا۔ ہندوستان کی سماجی رسوم میں جکڑے ہوئے سماج، توہمات میں گری ہوئی انسانیت اور احساس و شعور سے محروم قوم کو راہ راست پر لانے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ انھوں نے خلوص، ہمدردی اور اتفاق کا پرچار کیا۔ سماج میں موجود نفرت، بے حسی اور نفاق کو روکا۔ اسلام کی عالمگیر تعلیمات کی روشنی میں اعلیٰ قدروں کے نفاذ کی سعی کی اور ظلم و جبر کے خلاف آوازِ حق اُٹھائی۔ آپ نے اُن رسوم کا قلع قمع کرنے کی کوشش کی جو معاشرے کے بنیادی حقوق سے متصادم تھیں۔ علامہ کی اس سماج اصلاحی روِش کے بارے میں منشی پریم چند اپنے مضمون "علامہ راشد الخیری کے سوشل افسانے" میں رقم طراز ہیں:

"مولانا راشد الخیری کے افسانوں میں صداقت ہے، درد ہے غصہ ہے، بچارگی ہے، جنجھلاہٹ ہے جیسے وہ سماج کی بے اثری، بے حسی، بے دردی سے نالاں ہیں اور دست

بدعا ہیں کہ ان کے لفظوں میں تاثیر پیدا ہو لوگ ان کی باتیں سنیں اور ان پر غور اور عمل کریں۔ ان کے جتنے سوشل ناول اور افسانے ہیں ان میں بھی جوش و اصلاح لبریز ہے۔ وہ استدلال سے بھی کام لیتے ہیں، نصیحتوں سے بھی، حسن بیان سے بھی اور اسلام کی تاریخ اور روایات اور شرعی احکام سے بھی۔"(۳)

حُب الوطن اور حمایت ملت علامہ کے موضوعِ خاص تھے۔ وطن سے محبت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وطن پروری کو فرضِ عین سمجھتے تھے۔ وہ انگریزوں سے عناد رکھتے تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں تھے۔ عالمی منظر نامے پر نظر رکھتے ہوئے انھوں نے اقبال کی طرح جنگِ بلقان و طرابلس پر ملتِ اسلامیہ کی بے حسی کا ماتم کیا۔ علامہ نے ایک بہترین مؤرخ کی طرح اہلیان اسلام کو ان کے اسلاف کی تاریخ و سیرت سے آگاہ کر کے اتحاد ملت کا درس دیا۔ علامہ راشد الخیری کی وطن پرستی اور اسلام دوستی کے متعلق ڈاکٹر مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

"راشد الخیری اور سلطان حیدر جوش نے پریم چند سے پہلے حب الوطنی اور انگریز دشمنی کو اپنا موضوعِ خاص بنایا۔ اس حوالے سے راشد الخیری کا افسانہ "سیاہ داغ" خصوصی توجہ کا حامل ہے۔۔۔ راشد الخیری نے عالمی سیاسی منظر نامے کو دیکھتے ہوئے اپنے تین افسانوں "شہید مغرب"، "طرابلس سے ایک صدا" اور "دلہن دونوں کی" طرابلس پر اطالوی حملے کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کی جب کہ خالصتاً ہندوستان کی سیاسی اور سماجی منظر نامے کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں تھے۔"(۴)

علامہ راشد الخیری کو شہرت مصور غم کے لقب سے ملی اس لیے یہ عام خیال ہے کہ ان کی تصانیف محض غم و یاس کا مجموعہ ہوں گی اور ان کے تمام موضوعات المیہ ہوں گے۔ بلاشبہ غم و درد کی عکاسی کرنے میں علامہ اپنا ثانی نہیں رکھتے مگر علامہ نے اپنے قلم کے جو جوہر طنز و مزاح کے میدان میں دکھائے وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ "نانی عشو"، "ولائتی ننھی"، "رفاعی" اور "دادا لال بھجھکڑ" جیسے افسانے لکھ کر علامہ نے یہ بات ثابت کر دی کہ وہ حساس طبع ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ظریف طبع انسان بھی ہیں۔ وہ غم کی تصویر بنانے کے ساتھ ساتھ ہنسی کا مجسمہ بنانے کا فن بھی جانتے ہیں۔ علامہ کی ظرافت اور مزاح نگاری کے بارے میں ڈاکٹر وقار عظیم لکھتے ہیں:

"راشد الخیری نے اس زندگی میں جہاں صرف آنسو ہی آنسو ہیں۔ اس سماج میں سے جہاں دکھ درد کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا اور انہیں لوگوں میں جنھوں نے انہیں مصور غم کا لقب دیا۔ ایسی ایسی چیزیں نکالیں جو آنسوؤں کو سکھا کر چہرے پر تبسم کے پھول

کھلاتی ہیں۔ دردو غم کو مسرت شادمانی سے بدلتی ہیں اور قلم کو پھولوں اور بہاروں کا مصور بناتی ہیں۔"(۵)

المختصر علامہ راشد الخیری نے زندگی کے حقائق و مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور تمام فنی تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے انتہائی مدلل اور مؤثر انداز میں اپنے موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے کہانی کو اصلاح و فکر کا ذریعہ بنایا۔ علامہ راشد الخیری اپنے افسانوں میں دو متضاد قسم کے کردار پیش کرتے ہیں۔

(۱) صلح، رحم، محبت و وفا (۲) ظلم، نفرت و جفا کا پیکر

ان کے کرداروں کے باہم تصادم سے علامہ کامیاب اور ناکام زندگی میں فرق واضح کرتے ہیں اور ایک مصلح قوم بن کر اخلاقی و تہذیبی عناصر کی پاسداری کا درس دیتے ہیں۔ ان متضاد کرداروں کے فطری تضاد سے وہ حق و باطل اور خیر و شر میں فرق واضح کرتے ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کو اپنے حسن بیان سے لازوال بنانے کا ہنر جانتے تھے۔ انھوں نے اپنے افسانوں کے نسوانی کرداروں (ماں، بیٹی، ساس، بہو، بہن) کو مثالی پیرائے میں پیش کر کے عورت کو ظالم و مظلوم، حاکم و محکوم، غالب و مغلوب، صابر و عاجل ہر دو رنگوں میں دکھایا ہے۔ بہر کیف علامہ راشد الخیری نے سماج سے جبر و استحصال کے پیروکار، مغربیت کے پرستار، نفسانیت کے مارے، حاکمیت پسند اور قدامت پسند نظریات کے حامل کردار چنتے ہیں۔ انھوں نے شہری زندگی اور شہروں میں بسنے والے مختلف طبقات کی عکاسی، طبقات کی زندگیوں میں پیش آنے والے مختلف واقعات، ان کی زندگیوں میں درپیش مسائل اور مسائل کے حل کو ان کے افسانوں کا خاص موضوع ہے اور پھر ان موضوعات کا عصری تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اصلاحی اور مقصدی پیرائے سے احاطہ کر کے مختلف طبقات زندگی کے نمائندہ کرداروں کا انتخاب کیا ہے۔

جاگیردار طبقے کے نمائندہ کردار:

علامہ راشد الخیری کو کرداروں کی صورت و سیرت پیش کرنے میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ وہ کردار کی ذہنی اور باطنی کشمکش کو بڑی عمدگی سے پیش کرتے ہیں۔ افسانہ "ستونتی" کا کردار "افضال" جو دولت اور اقتدار کے نشے میں خدا اور دین سب کچھ بھلا دیتا ہے۔ مشرقی اور مذہبی روایات کی تضحیک کرتا ہے۔ عیش پرست، مغربیت کا دلدادہ اور نشے تماشوں کا شیدائی ہوتا ہے۔ مذہب کو لغو اور بیکار خیال کرتا ہے، اپنی پارسا بیوی سے اس لیے نالاں ہوتا ہے کہ وہ اس کی شیطانی حرکات میں اس کا ساتھ نہیں دیتی مگر جب قہر خداوندی کا شکار ہو کر بستر مرگ پر پڑ جاتا ہے اور عیش و عشرت کے تمام رفیق ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو نیک خصلت بیوی ہی کام آتی ہے۔ مذہب اور مشرقیت کے توسط ہی شفائے کامل حاصل کرتا ہے اور اپنی گزشتہ زندگی پر سخت پشیماں ہوتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے علامہ راشد الخیری نے مشرقی و مغربی اقدار کا موازنہ کیا ہے۔ اور ہندوستان کے مغربیت پسند طبقہ اشرافیہ کو مغربی تہذیب کے کھوکھلے پن سے آشنا کیا ہے

-

افسانوی مجموعے "قطرات اشک" کے افسانے "رویائے مقصود" کا کردار "مقصود" ایک سفاک اور بے رحم مجسٹریٹ ہوتا ہے۔ یہ کردار نام نہاد حُرمت و حمیت کا علمبردار اور طاقت کو ہی دنیا کا حقیقی جوہر سمجھتا ہے۔ ملازموں سے ناروا سلوک اور ان کی حق تلفی کرتا ہے۔ اپنی نفسیاتی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر حربے کو جائز خیال کرتا ہے بلکہ اپنا حق سمجھتا ہے۔ جائیداد کی حرص میں اپنے حقیقی ماموں پر بغاوت کا جھوٹا الزام لگوا کر عمر قید کروا دیتا ہے۔ مقصود کی حرص و بے حسی کا اندازہ افسانے کے مندرجہ ذیل اقتباس سے کیا جاسکتا ہے:

> "جب آخری پیشی کے روز ممانی اپنے آٹھ برس کے بچے محمود کا ہاتھ پکڑے مقصود کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی "بیٹا مقصود ہم پر رحم کر میں نے تجھ کو دودھ پلایا ہے اللہ کے لیے ترس کھا۔ سارا گاؤں لے لے، دونوں مکان لے مگر اتنی زیادتی نا کر" مقصود: یہ الفاظ آپ کی زبان سے بہت دیر میں نکلے۔ اب ان کا وقت نہیں رہا کیونکہ اب میں کچھ کرنا پسند نہ کروں گا۔"(۶)

جائیداد پر قابض ہو جانے کے بعد قرض کا جھوٹا مقدمہ کر کے مقصود ممانی اور اس کے معصوم بچے کو گھر سے بھی بے گھر کر دیتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے عیش و عشرت میں مبتلا احساس و رحم سے محروم، استحصالی، دولت و طاقت کے نشے میں مخمور سماجی بھیڑیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ مالدار طبقے کے نمائندہ کرداروں میں علامہ کے افسانوی مجموعے "خدائی راج" کے افسانے "خدا فراموش" کا کردار "سلیمان" قابل ذکر ہے۔ جو دولت کے نشے میں قوانین فطرت کو بھلا چکا ہوتا ہے اور غرور و تکبر کی ان تمام سرحدوں کو عبور کر چکا ہوتا ہے جو ایک انسان کی ذات کو زیب نہیں دیتا۔ سلیمان زر و مسرت کو دائمی چیزیں خیال کرتا ہے۔ وہ دردِ بشریت سے یکسر نا آشنا ہوتا ہے۔ لوہار کی بیوہ جو سلیمان کی سمدھی کی پڑوسن تھی۔ اپنے معصوم بچے "محبن" کے سہارے رات ایک عجب قرب میں گزارتی ہے مگر سلیمان کے بیٹے کی بارات کا باجا گاجا، ڈھول نفیری متواتر بجتے رہتے ہیں۔ ویسے پر جہاں شہر کے متمول طبقے کی خاطر مدارت کی جارہی ہوتی ہے وہاں پانچ سالہ معصوم محبن کی ایک روٹی کی درخواست سے سلیمان برہم ہو جاتا ہے اور معصوم کے جسم کو چھڑی سے داغ دیتا ہے۔ غریب کے پھٹے کپڑوں اور معصومانہ صدا پر سلیمان کو ذرا برابر ترس نہیں آتا۔ درد و اضطراب میں دم دینے والی لوہار کی بیوہ کا جنازہ سلیمان کے بیٹے کی بارات کے سامنے سے گزرا تو سلیمان کے یہ الفاظ اسے مرتبہ انسانیت سے گرا دیتے ہیں:

> "تم کو معلوم ہے جنازے کا کفن ہمارے سمدھی کی طرف سے دیا گیا ہے۔ مگر خدا معلوم تم کیسے نامعقول ہو کہ باجا و نفیری کی آواز برابر تمہارے کان میں گونج رہی ہے۔ جہیز تمہاری آنکھوں کے سامنے باہر آگیا۔ تم لوگ ٹھہر جاتے بعد میں آتے یا کسی اور راستے

سے چلے جاتے۔ عزت کے ساتھ تم لوگوں کی عقل بھی غارت ہو گئی جاؤ اور طرف سے
لے کر جاؤ۔"(۷)

افسانے کے اختتام پر سلیمان کا درد انگیز انجام دکھا کر علامہ نے اس کردار کے ذریعے مقولے "خدا کی لاٹھی بے آواز ہے" کی صداقت کو واضح کیا ہے۔ انھوں نے متمول طبقے کی بے حسی اور غریب کی بے بسی کا نقشہ کھینچا ہے اور دولت اور شہرت کی دھن میں مست خدا فراموش افراد کو ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے۔ جاگیر دار طبقے کا ایک اور نمائندہ کردار "سوسن کی مالکن" کا ہے۔ علامہ راشد الخیری نے اپنے دلاویز اور سبق آموز افسانہ "چہار عالم" میں ایک پرندے کی زبانی اس کردار کو نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سوسن کی بیوہ ماں نے اپنی ضعیف العمری کے پیش نظر اپنی آٹھ نو سالہ بیٹی (سوسن) کو کوئی عزیز و رشتہ دار نہ ہونے کے سبب اپنی مالکن کے سپرد کر جاتی ہے اور کچھ زیورات اس غرض سے امانت رکھواتی ہے کہ جب میری بیٹی جوان ہو جائے تو کسی شریف شخص سے نکاح کروا دینا مگر مالکن نے سوسن کی ماں کے مرنے کے بعد بھی کئی سال تک اسے اپنی چاکری پر مامور رکھا۔ وہ چاہتی تھی کہ سوسن ساری عمر اسی کی چوکھٹ پر گزار دے۔ سوسن کے رشتے کا ایک ماموں اس کی ڈھلتی عمر دیکھ کر ایک درزی سے اس کا نکاح کروا دیتا ہے۔ شادی کے بعد بھی سوسن مالکن کی خدمت کرتی رہتی ہے مگر جب شوہر کے کہنے پر ملازمت چھوڑنے کا قصد کرتی ہے تو مالکن اس کی ملکیت کا تمام سازوسامان ضبط کر لیتی ہے اور گھر سے باہر نکال دیتی ہے۔ جب سوسن کے ہاں مرے ہوئے بچے کی پیدائش پر اس کی ساس سوسن کی حالت کا بتا کر امانت رکھوائے گئے زیورات کا مطالبہ کرتی ہے تو مالکن اسے دھتکار دیتی ہے۔ اس کے علاوہ سوسن کی مالکن انا پرستی میں چھوٹی سی بات پر اپنی بیٹی کو اس کی مرضی کے خلاف شوہر سے جدا کر دیتی ہے اور جب داماد بیوی کو لینے سسرال آتا ہے تو اس کی تذلیل کرتی ہے۔ یہ کردار سماج کے اس متمول طبقے کا عکاس ہے جو نمک حلالی کی آڑ میں غلاموں کی غلامی کو ایک فطری امر منوانے پر تلا ہوا ہے۔ جفاکش اور محنت کش طبقے کو تابع فرماں رکھنے کے لیے انہیں مختلف پیچیدگیوں میں الجھائے رکھتا ہے۔ خود غرضی، انا پرستی، حق تلفی اور ہٹ دھرمی ان کی فطرت کا خاصا بن جاتے ہیں۔

"ڈاکٹر صمد" علامہ کے افسانہ خدائی راج کا ایک نفس پرست، بہتان تراش اور خود غرض کردار ہے جو ایک پاک دامن اور خود دار بیوہ کلثوم کو نکاح ثانی کے لیے اکساتا ہے اور اس کے منع کرنے پر الٹے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے۔ کلثوم کی ہنستی بستی بیٹی کا گھر اُجاڑ دیتا ہے؛ بیٹے کو جھوٹے الزام میں جیل میں قید کروا دیتا ہے اور اسے پورے شہر میں بدنام کر دیتا ہے۔ کلثوم کو مصائب کے انبار میں گھیر کے اپنی خواہش کی تکمیل چاہتا ہے مگر کلثوم صبر و ہمت کا دامن نہیں چھوڑتی اور تمام مسائل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ کلثوم اپنی صاف نیتی سے دوبارہ اپنا مقام حاصل کر لیتی ہے اور صمد ذلت و رسوائی اٹھاتا ہے۔ ڈاکٹر صمد کا یہ کردار بارسوخ دولت مند طبقے کا نمائندہ ہے جو اپنی دولت اور طاقت کے بل بوتے پر اپنی ناجائز

خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنے اثرورسوخ کو بروئے کار لاتا ہے۔ اپنے نفس کی تسکین کی خاطر شرفا و غربا کی عزت نفس کو مجروح کرتا ہے۔ افسانے میں اس کردار کا عبرت ناک انجام دکھلا کر علامہ نے ایسے تخریبی عناصر کی حوصلہ شکنی کی ہے۔

متوسط طبقے کے نمائندہ کردار:

علامہ راشد الخیری نے شہری متوسط طبقے کے مسائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس طبقے کی اصلاح کے لیے متعدد خانگی و سماجی افسانے لکھے۔ مختلف کرداروں کے ذریعے متوسط طبقے کے مرد و زن کی عائلی و سماجی زندگی کی عکاسی کی۔ علامہ کے افسانہ "مسکراہٹ کی قیمت" میں زلیخا کا کردار خودداری اور محنت کشی کا مرقع ہے۔ زلیخا کا شوہر احمد اپنی اور زلیخا کی تمام وراثتی دولت شاہ خرچیوں اور عیاشیوں میں لٹا دیتا ہے۔ زلیخا پر ایک سوکن بھی لا بٹھاتا ہے اور زلیخا سے بے اعتنائی برتنے لگتا ہے۔ زلیخا اپنے بیٹے عزیز کی پرورش باپ کا رخ موڑ لینے کے بعد بڑے جتنوں سے کرتی ہے۔ زلیخا کی محنت رنگ لاتی ہے اور عزیز کو ایک بہت اچھی ملازمت مل جاتی ہے۔ اس زمانے میں زلیخا کا شوہر احمد اور اس کی دوسری بیوی مریم انتہائی مفلسی میں زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ زلیخا شوہر اور سوکن کی تمام زیادتیوں کو بھلاتے ہوئے اپنے بیٹے کو پہلی تنخواہ لے کر باپ اور سوتیلی ماں کے پاس جانے کا کہتی ہے۔ زلیخا کے اس کردار میں اعلیٰ اخلاقی قدروں نیکی، وفا، خودداری اور محبت کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

متوسط طبقے کی نمائندگی میں علامہ کے افسانہ "مچھیرن کا جھولا" کا کردار خالد قابل ذکر ہے جو اپنے مصیبت اور بیماری کے مارے چچا زاد بھائی علی کی دولت اور اس کی بیوی حمیرا پر نظریں جمائے بیٹھا ہوتا ہے۔ علی کے جیتے جی ہی اس کی باوفا بیوی کو اپنے ساتھ نکاح پر آمادہ کرنے کی کوششیں کرنے لگتا ہے۔ علی کے مرتے ہی دستخط شدہ چیک چرا کر اس کی ساری رقم ہتھیا لیتا ہے۔ حمیرا اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے ایک مچھیرن کا روپ دھار لیتی ہے۔ مگر جب یوں بھی خالد کی ناپاک نظروں سے نہ بچ سکی تو خالد اور اس کے بدمعاش دوستوں کے شر و ہوس سے بچنے کے لیے خودکشی کر لیتی ہے۔ خالد کے اس کردار میں معاشرے کے موقع شناس، دغاباز، جعل ساز اور ہوس پرست افراد کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

علامہ راشد الخیری کے مشہور زمانہ افسانہ "محروم وراثت" کا کردار "احسن" رحمت خدا (بیٹی) کو بار سمجھنے والے مشرقی متوسط طبقے کا نمائندہ ہے۔ احسن اپنی بیٹی رقیہ سے نفرت کرتا ہے اور اپنی کمائی میں بیٹی کو حصہ دار نہیں سمجھتا۔ بیٹی کو پرایا دھن سمجھ کر اسے بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھتا ہے۔ بیٹے پر پانی کی طرح پیسہ بہانے والا احسن بیٹی پر ایک روپیہ بھی خرچ کرنا حرام سمجھتا ہے۔ احسن کی اس امتیازی روِش کو افسانے میں کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

> "ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عید کے موقع پر اس لیے کہ کچھ عزیز آنے والے تھے،
> شاموں شام احسن نے بیوی اور بچہ کے لیے سب سامان منگوایا احسن، محسن، رقیہ اور
> صفیہ چاروں ایک جگہ بیٹھے تھے۔ احسن ایک ایک چیز اٹھاتا اور دکھاتا جاتا تھا اور متوقع

تھا کہ بیوی اور اس کے بچے اس کے انتخاب کی داد دیں۔ احسن جس وقت ایک چیز دکھانے کے بعد صفیہ، رقیہ اور محسن کی صورت دیکھ کر داد طلب کرتا اس وقت صفیہ کبھی اس ڈھیر کو کبھی شوہر کو محض اس امید پر دیکھتی کہ شاید اس ڈھیر سے یا شوہر کے منہ سے رقیہ کا نام نکلے مگر نو چیزیں چار صفیہ اور پانچ محسن کی ختم ہو گئیں لیکن رقیہ کے نام کی کوئی چیز نہ ڈھیر سے نکلی نہ اس کا نام باپ کے منہ سے نکلا۔"(۸)

سعادت مند، خدمت گزار اور صابر بیٹی کو احسن ضروریات زندگی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ وراثت سے بھی محروم رکھتا ہے اور اپنا تمام کا تمام سرمایہ بیٹے کے نام کر دیتا ہے۔ بیٹی اپنے گھر سدھار جاتی ہے تو بیٹا اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیتا ہے مفلوج احسن کے علاج کے لیے بیٹا جہاں پیسہ لگانے کو فضول کہتا ہے وہاں سعادت مند بیٹی رات باپ کے قدموں میں کاٹ کر علاج کے لیے رقم فراہم کرتی ہے۔ احسن بے بسی کا نمونہ بنے اپنی جفاؤں پر اشک ندامت بہاتے ہوئے بیٹی کو سینے سے لگاتا ہے۔ احسن کے اس کردار کے ذریعے بیٹی کو زحمت خیال کرنے والے؛ عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے والے اور اولادِ نرینہ پر بے جا فخر و مان کرنے والے تنگ نظر افراد کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

علامہ کے افسانہ "حج اکبر" کا کردار "ظہیرہ" ایثار و ہمدردی کا بہترین نمونہ ہے۔ قمر کا اکلوتا اور ناز و نعم سے پلا بیٹا خسرو جب دِق کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو قمر بیٹے کے علاج کے لیے اپنی تمام جمع پونجی لگا بیٹھتی ہے۔ ڈاکٹر جب سینی ٹوریم میں علاج کے لیے ایک ہزار روپے کا مطالبہ کرتے ہیں تو ممتا کی ماری ہوئی اپنے تحصیلدار بھائی کی چوکھٹ پر پہنچ جاتی ہے۔ بھائی کے سامنے بیٹے کی شادی کے لیے بنایا گیا جوڑا رکھ کر رقم طلب کرتی ہے مگر سگا بھائی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے:

"بُوا تم کو معلوم ہے میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ جوڑے کی مجھے ضرورت نہیں۔ بازار میں دو ڈھائی سو سے زیادہ مل نہیں سکتے ایسی حالت میں پہاڑ پر جانا دشوار ہے۔"(۹)

بھائی کے انکار کے بعد جب قمر کی تمام امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں تو ایک بیوہ ظہیرہ جس نے ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا حج کے اخراجات کے لیے بچا رکھا تھا اور قمر کے بھائی کے اصرار کے باوجود زیادہ رقم ملنے پر بھی اس پلاٹ کو فروخت نہیں کیا تھا مگر جب ایک ماں کو اپنے بیٹے کے علاج کے لیے فریاد کرتے سنا تو ظہیرہ سے رہا نہ گیا اور قمر کو تسلی دے کر چلی گئی اور وہی زمین کا ٹکڑا فروخت کر کے انسانیت و ہمدردی کی مثال قائم کرتے ہوئے قمر کے ہاتھ میں پیسے لا کر رکھ دیتی ہے۔ ظہیرہ کے کردار کے ذریعے اخوت، انسانی ہمدردی، نیک نیتی کا درس دینے کے ساتھ ساتھ بے حس رشتوں کے کھوکھلے پن اور حساس طبع افراد کی عظمت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد پر لکھے گئے افسانہ "افراط و تفریط" کے ایک کردار "چمن" کے ذریعے علامہ نے ہندو مسلم نفاق و عداوت کو نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد صدیوں سے ایک ساتھ رہنے

والی دو اقوام ہندو اور مسلم دشمنی اور عداوت میں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی بن گئیں اور یہ عداوت و نفرت کا بیج اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے انگریز سرکار ہی نے بویا تھا۔ چمن متوسط گھرانے کا ایک شریف النفس اور غیر سیاسی فرد ہوتا ہے جو اپنے ہندو دوست پنّا سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ ان دونوں کی دوستی علاقے بھر میں مشہور ہوتی ہے۔ دونوں دوست عید دیوالی کی خوشیاں ایک سنگ مناتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دھرم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چمن کے پاس ایک گائے ہوتی ہے جسے وہ اپنی مری ہوئی بیٹی کی نشانی سمجھتا ہے اور اس سے بیٹیوں کی طرح ہی پیار کرتا ہے جب متعصبانہ سوچ کے حامل لیڈر مذہب اور سیاست کی آڑ میں سادہ دل لوگوں کے دلوں میں نفاق کا بیج بو ڈالتے ہیں اور ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑتے ہیں تو پنّا اور چمن کی دوستی بھی نفرت میں بدل جاتی ہے، ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے اور مسلمانوں نے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ بدلہ کی اس آگ میں چمن اسلام کی خدمت اور ہندو دھرم کی توہین کے لیے اپنی اولاد کی طرح پالی ہوئی گائے کو جس کو اس نے کبھی پھول کی چھڑی تک نہ ماری تھی بڑی بے دردی سے بیچ چوراہے کے ذبح کر دیتا ہے۔ چمن کا یہ کردار ان سادہ لوح ہندوستانیوں کی حالت زار کا عکاس ہے جو چالاک و عیار دشمن کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کو مستحکم کرنے میں اپنا لاشعوری کردار ادا کرتے ہیں۔

غریب طبقے کے نمائندہ کردار:

اُردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں غریب طبقے کے مسائل اور ان کے معاشی، معاشرتی، سماجی اور اخلاقی استحصال پر دلجمعی سے لکھا ہے۔ علامہ راشد الخیری کے متعدد افسانوں میں غریب طبقے کی حمایت اور ان سے ہمدردی کا احساس دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اس طبقے کے مسائل کی عکاسی کرنے والے کرداروں کو اپنے افسانوں میں نہایت عمدگی سے پیش کیا ہے۔ افسانہ "ویڈیا کی سرگذشت" کا کردار جوزف اس امر کا علمبردار ہے کہ محبت ذات پات، اونچ نیچ اور رنگ و نسل کے تقاضوں سے ماورا ایک جذبہ ہے۔ ویڈیا اپنے علاقے کی خوبصورت ترین لڑکیوں میں سے ایک ہوتی ہے۔ علاقے بھر کے امرا و شرفا اس سے شادی کے خواستگار ہوتے ہیں مگر علاقے کے دستور کے مطابق ویڈیا کی شادی سمندر کے ساحل سے سب سے قیمتی موتی لانے والے سے ہونا ہوتی ہے۔ خوش قسمتی سے ساحل کا سب سے قیمتی موتی جوزف کو مل جاتا ہے اور ویڈیا کے والدین مجبوراً ویڈیا کی شادی جوزف سے کرا دیتے ہیں مگر شادی کے بعد غریب اور احساس کمتری میں مبتلا جوزف ویڈیا کی توجہ حاصل کرنے اور دل جیتنے میں ناکام رہتا ہے۔ جوزف کی محبت اور خلوص اس کی بیوی کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ ویڈیا اپنی من پسند زندگی گزارتی ہے اور جوزف کو مسلسل نظر انداز کرتی ہے۔ اس کی بے مروتی اور لاپرواہی جوزف کو بستر مرگ پر ڈال دیتے ہیں، وہ اس عشق نامراد اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جوزف کے اس کردار کے ذریعے طبقات میں بٹے ہوئے اس معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے جہاں غریب کی محبت و رومان کو ضرورت اور جذبات و احساسات کو ڈراما سمجھا جاتا ہے اور بے اعتنائی اور بے مروتی سے اسے احساس کمتری کے اندھیروں میں دھکیل

دیا جاتا ہے۔

افسانہ "بدنصیب کالال" میں "حمیدہ" کا کردار اس غریب طبقے کا نمائندہ ہے جنہیں دووقت کی روٹی بھی بمشکل میسر آتی ہے مگر وہ تلخی ایام کو ہنس کر پی جاتے ہیں اور صبر و قناعت کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔ حمیدہ کی ماں کی موت کے بعد اس کا باپ دوسری شادی کر لیتا ہے اور حمیدہ کو ایک غریب گھرانے میں بیاہ کر پھر اس کی خبر نہیں لیتا۔ سسرال میں ساس سسر جب تک زندہ رہے جیسے تیسے وقت بسر ہوتا رہا مگر ان کے مر جانے کے بعد کاہل اور نکمے میاں کے ہوتے ہوئے گھر میں فاقے ہونے لگے۔ حمیدہ کی شوہر کی سستی والا پرواہی کا تذکرہ افسانے میں کچھ یوں ملتا ہے:

> "کمبخت صورت و شکل کا اچھا، جوان تندرست، پڑھا لکھا، موٹا تازہ کچھ نہ ہوتا تو چپڑاسی تو ہو جاتا! مگر کون ہوتا اور کیوں ہوتا بُری صحبت نے غیرت و حمیت سب غارت کرادی۔"(۱۰)

اس پر قیامت یہ برپا ہوئی کہ حمیدہ کا بے حس شوہر چھوٹے سے جھگڑے کو بنیاد بنا کر اپنی بھوکی پیاسی بیوی کو حالت زچگی میں تنہا چھوڑ کر کہیں چلا جاتا ہے۔ اس جان کنی کے عالم میں حمیدہ کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ کوئی مسیحانہ بنا اور کسی نے اسباب مہیا نہ کیے بے بس ولاچار کو صرف ایک اللہ ہی کا آسرا تھا۔ بجلیاں گراتی اور مینہ برساتی رات میں حمیدہ کو اللہ ایک لعل (بیٹے) سے نوازتا ہے جس کی صورت دیکھ کر وہ اپنے تمام رنج و ملال بھول جاتی ہے۔ اور اپنے بچے کو سینے سے لگا کر زندگی کی نئی امیدیں باندھتی ہے۔ حمیدہ کا یہ کردار تہذیب کے تقاضوں سے عاری زندگی کو ایک جبر مسلسل کی طرح کاٹنے والے غریب طبقے کی عکاسی کرتا ہے جو بھوک اور افلاس کی چکی میں پس کر بھی صبر و امید کا پیکر بنے رہتے ہیں۔ حمیدہ جیسے غریب طبقے کے نمائندہ کردار راشد الخیری کے افسانوں میں کثرت سے ملتے ہیں ان کرداروں کے ذریعے علامہ مظلوم و مجبور غریب افراد کا صبر اور ہمت دکھلا کر ہر غم کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے رہنے کا درس دیتے ہیں۔

علامہ راشد الخیری کے افسانہ "میں نے کیا دیکھا" میں "ماما رحمت" کا کردار موقع شناس، احسان فراموش اور خود غرض غریب طبقے کا نمائندہ ہے۔ رحمت نامی خاتون جو سردار صاحب کے ہاں ماما گیری کرتی ہے۔ سردار کے مرنے کے بعد اس کی غریب پرور اور خدا ترس بیوی پر مشکل دن آتے ہیں تو ماما رحمت اس سے منہ پھیر لیتی ہے۔ تمام احسانات کو فراموش کرتے ہوئے بیگم صاحبہ سے اپنی پگار کا تقاضا کرتی ہے، مصیبت کی ماری بیگم کے پاس دینے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تو ماما کو گھریلو استعمال کے برتن لے جانے کو کہتی ہے۔ رحمت ان برتنوں کو بیکار کہہ کر بیگم صاحبہ کی بچی کے ہاتھ میں پہنی ہوئی چاندی کی چوڑیاں زبردستی چھین لیتی ہے اور معصوم بچی کو چوڑیوں کے لیے روتا چھوڑ کر لعن طعن کرتے ہوئے رخصت ہو جاتی ہے۔ علامہ کے افسانہ کا یہ کردار اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ احسان فراموش، خود غرض اور مطلب پرست افراد ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں جو احسان اور احساس کے جذبے سے کلی طور پر نا آشنا ہوتے ہیں۔ غریب طبقے میں

ایسے بھی خود غرض اور لالچی کردار پائے جاتے ہیں جو خلوص اور ہمدردی کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتے۔

افسانہ "بلوچن کے تین رنگ" میں خانہ بدوش بلوچ قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی "صنوبر" کے کردار کو علامہ راشد الخیری نے غیرت وخودداری کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ طاعون کے متعدی مرض میں مبتلا ہو کر آبادی سے دور جنگل میں مقیم بلوچ قبیلے کے تمام افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ پورے قبیلے میں صرف دو بھائی بہن صنوبر اور گل بچتے ہیں۔ دونوں بھائی بہن بھوک کے ستائے ہوئے آبادی کا رخ کرتے ہیں اور شہر کے کوتوال کے گھر پہنچ کر اس کی بیوی (ظہیرہ) سے کھانے کا سوال کرتے ہیں۔ ظہیرہ انہیں اپنے ہاں روٹی کپڑے پر ملازم ہونے کا کہتی ہے مگر مصیبت زدہ صنوبر کی غیرت روٹی کے چند ٹکڑوں پر اس سے اپنی آزادی کا سودا نہیں کرتی۔ وہ بھائی کو لے کر واپس جنگل چلی جاتی ہے۔ اس واقعے کے کچھ روز بعد صنوبر بھی طاعون کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ظہیرہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے بے بس صنوبر کا تماشا دیکھنے آتی ہے اور اس کے بھائی گل کو زبردستی چھین کر اپنے ساتھ لیے جاتی ہے۔ صنوبر بیماری کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے اور جلد ہی صحت یاب ہو کر اپنے بھائی کو ظہیرہ کی غلامی سے چھڑانے کا قصد کرتی ہے۔ وہ ظہیرہ کے قتل سے اپنے بھائی کی غلامی کا بدلہ لینا چاہتی ہے مگر جب وہ اپنے بھائی کو اچھی حالت میں دیکھتی ہے اور بھائی اسے اپنے ساتھ کیے جانے والے ظہیرہ کے اچھے برتاؤ کے متعلق بتاتا ہے تو وہ ارادہ بدل دیتی ہے اور بھائی کی کفالت کرنا ظہیرہ کا احسان سمجھتی ہے اور اس کا بدلہ چکانا خود پر قرض سمجھتی ہے۔ جب ظہیرہ کے بیٹے کو سانپ ڈس لیتا ہے اور کوئی دوا کارگر ثابت نہیں ہوتی تو صنوبر ہی کوئی جنگلی جڑی بوٹی پلوا کر اس کی جان بچاتی ہے اور بلا معاوضہ علاج کر کے ظہیرہ کے احسان سے بھی سبکدوش ہو جاتی ہے۔

صنوبر کا یہ کردار اس سفید پوش، خوددار اور غیرت مند غریب طبقے کی نمائندہ ہے جو بھوک اور افلاس کے ہاتھوں اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرتے؛ جن کی غیرت غربت کو آزادی پر غالب نہیں آنے دیتی؛ جو کسی کے احسان کو خود پر بوجھ سمجھتے ہیں اور خودداری سے زندگی گزارتے ہیں۔ اس افسانے میں صنوبر کے کردار کے ذریعے علامہ نے غربت و افلاس کی چکی میں پسنے کے باوجود اپنی غیرت کا سودا نہ کرنے اور اپنی خاندانی حمیت کو برقرار رکھنے والے اور اپنی عزت و ناموس کو کوڑیوں کے دام نہ بیچنے والے غریب طبقات کی نمائندگی کی ہے جو صبر و قناعت سے ہر مشکل سہنے کی ہمت رکھتے ہیں مگر اپنے ضمیر، ایمان اور آزادی کا سودا کسی قیمت پر کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ راشد الخیری کے افسانہ "مچھیرن شہزادی" میں غریب "مچھیرن" کا کردار بھی قابل ذکر ہے۔ مچھیرن مچھلی منڈی میں اپنی تین مچھلیاں لے کر ٹھیکیدار کے پاس پہنچتی ہے۔ ٹھیکیدار مچھلیوں کو کم دام میں خریدنے کے لیے کہتا ہے:

> "اول تو تیری دو مچھلیاں موہ ہیں کانٹوں کی پوٹ۔ ان کا گاہک کون ہو گا۔ دوسری یہ بکسی ہوئی ہیں شاید پرسوں کی پکڑی ہوں گی۔"(۱۱)

مکار ٹھیکیدار ضرورت مند مچھیرن کو کافی دیر انتظار کروانے کے بعد دواڑھائی روپے کی مچھلیوں کا بھاؤ چار آنے بتاتا ہے۔ مچھیرن اپنی مچھلیوں کو اتنے کم داموں بیچنے سے انکار کر دیتی ہے۔ مگر ٹھیکیدار تہہ داری کا بہانہ بنا کر مجبور مچھیرن سے زبردستی مچھلیاں ہتھیا لیتا ہے اور پھر چونی تک بھی نہیں دیتا۔ غریب مچھیرن اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی ہوئی اور اپنے ماضی کو یاد کرتے ہوئے گھر کی راہ لیتی ہے۔ علامہ راشد الخیری نے اس کردار کے ذریعے اُس استحصال زدہ غریب طبقے کی عکاسی کی ہے جنہیں سخت محنت و مشقت کے باوجود بھی ان کے جائز حق سے محروم رکھا جاتا ہے اور ان کے خون پسینے کی کوڑیوں کو ہتھیا کر صاحب ثروت عیش کرتے ہیں۔ افسانے کے اس کردار کے ذریعے سخت محنت کرنے کے باوجود بھی ایک ایک کوڑی کو ترسنے والے غریب طبقے کی نمائندگی کی گئی ہے کہ کیسے معاشرے میں غریب کی محنت کا ثمر اہل اختیار اور ثروت مند افراد ہتھیا لیتے ہیں اور بے حیائی کی چادر اوڑھے معاشرے میں معزز بنے پھرتے ہیں۔

متفرق کردار:

علامہ راشد الخیری کو فنِ کردار نگاری میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ ان کے افسانوں کا ہر کردار پڑھنے والوں کے ذہن میں منقش ہو جاتا ہے۔ ذیل میں علامہ کے چند متفرق کرداروں کا تذکرہ کر کے ان کے فن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علامہ کے افسانہ ''مچھیرن کا جھولا'' کا کردار ''ملاّجی'' مذہب کی آڑ میں انسانیت سے گرے افعال کے مرتکب مذہبی بہروپیوں کا نمائندہ ہے جو جاہل اور ضعیف العقائد لوگوں سے روپے بٹورتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے مذہب کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ افسانے سے ملاجی کے کردار کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

> ''ملاجی نے میت کے کپڑے اتارنے شروع کیے قمیض میں سونے کے بٹن دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔ حکم دیا یہ قمیض اللہ کے نام جائے گی۔ یہ کہہ کر سلک کی قمیض بٹنوں سمیت جیب میں رکھ لی۔ ہوا بند تھی اس لیے کیوڑے اور گلاب کی جو بوتلیں ساتھ تھیں ایک گلاس میں نکال کر نوش فرمائیں اور ایک پھریری لے کر چچی صاحبہ کو آواز دی اور کہا: میں نے تو ابھی ناشتا بھی نہیں کیا۔''(۱۲)

ملاّجی قران وحدیث کے غلط حوالہ جات پیش کر کے مصیبت کی ماری حمیرا سے اس کے شوہر علی کی تدفین اور بدعتی رسوم کی ادائیگی کے لیے پیسے بٹور لیتا ہے۔ شاطر خالد اور اس کی مکار ماں (چچی) کے ساتھ مل کر چند روپوں کی خاطر دورانِ عدت ہی حمیرا کو نکاح ثانی پر اکساتا ہے۔ راشد الخیری نے اس کردار کے ذریعے مذہبی حلقوں میں موجود ایسے مفاد پرست اور ضمیر فروش لوگوں کو بے نقاب کیا ہے جو اپنے فائدے کے لیے لادینیت اور بدعات کو فروغ دے رہے ہیں۔

افسانہ ''گلشن اور عرب'' کا غیر انسانی کردار ''عرب (گھوڑا)'' احساس و وفا جیسی انسانی صفات کا حامل کردار ہے۔ گلشن (ماما) اور عرب (گھوڑا) ان کی مالکن کو اس کے جہیز میں ملتے ہیں۔ مالکن کا شوہر انجینئر ہوتا ہے اور گھر میں روپے پیسے

کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اچانک حالات پلٹا کھاتے ہیں اور شوہر کی وفات کے بعد مالکن کوڑیوں کی محتاج ہو جاتی ہے۔ گھر میں فاقے ہونے لگتے ہیں۔ تو برسوں پرانی ماما گلشن اپنی تین ماہ کی تنخواہ کا تقاضا کرتی ہے اور مالکن کے پاس رقم نہ ہونے کی وجہ سے اس کے گھریلو استعمال کے برتن اٹھالے جاتی ہے۔ مگر بے زبان عرب مالکن اور اس کے معصوم بچے کو بھوکا دیکھ کر روتا ہے اور اپنی بھوک بھلا کر راہ گیروں کے ہمراہ بھوکا پیاسا کئی کوس دوڑ کر اپنی مالکن اور اس کے بیٹے کا پیٹ بھرتا ہے اور اس چھوٹے سے خاندان کا کفیل بن جاتا ہے۔ عرب کے اس کردار کے ذریعے درد و احساس، وفا و ہمدردی جیسی صفاتِ انسانی سے محروم افراد کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور مذکورہ صفات سے محروم انسان پر جانور کو فوقیت دی گئی ہے۔

علامہ راشد الخیری کا مشہورِ زمانہ کردار "نانی عشو" ایک لافانی کردار ہے جسے علامہ عجیب وغریب خصائص کے ساتھ چلتا پھرتا قاری کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ اس کردار کی صورت و سیرت پڑھنے والے کو ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس کردار کو علامہ نے انتہائی جزئیات کے ساتھ برتا ہے۔ علامہ کے ایسے کرداروں کے متعلق سید وقار عظیم رقم طراز ہیں:

> "ان کے کرادروں کا حلیہ، ان کا لباس، ان کی گفتگو، عادات و اطوار ایک خاص طرح کی ذہنی سرشت، چالاکی، عیاری، سادہ لوحی، حماقت طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں، لالچ، عزت اور شہرت کی ہوس اپنے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں، یہ سب کچھ اور اس کے ساتھ ساتھ سوہنی کی ہنسی بڑھاپا جو بجائے خود بھی مضحکہ خیز ہے اور تخیل کی رنگینی اسے اور بھی مضحکہ خیز بنا دیتی ہے۔"(۱۳)

راشد الخیری نے نانی عشو کی حماقتوں کے ذریعے افسانے میں قدم قدم پر سماجی برائیوں جھوٹ، فریب، لالچ، ریا، جعل سازی، جہالت اور گھمنڈ پر اپنے طنز کے نشتر چلائے اور نہایت لطیف انداز میں اصلاح معاشرہ کی کوشش کی۔

افسانہ "عصمت و حسن" میں قحبہ "نزاکت" کا کردار بھی سماجی شکست وریخت کا آئینہ دار ہے جو اپنے مکار چچا اور امّی کے ساتھ مل کر امیر زادے سعید کو اپنے حسن و ادا کے جال میں پھنسا کر اس کے دل و دماغ کو اپنے قابو میں کر لیتی ہے۔ خود کو سیدانی بتا کر سعید سے شادی رچاتی ہے اور سعید کی ہنستی بستی بیوی (سلمہ) اور اس کے بچوں پر سوکن بن کر آجاتی ہے۔ تمام مال واسباب پر پوری طرح قابض ہو کر سلمہ اور اس کے بچوں کو گھر بدر کر دیتی ہے۔ سعید کو پہلی بیوی اور معصوم بچوں سے بے اعتنا کر دیتی ہے۔ سلمہ اور اس کے بچوں کی زندگیوں کو تاراج کر کے خود عیش و عشرت کے مزے لوٹتی ہے۔ انھوں نے اس کردار کے ذریعے، بدکردار، مکار، جعل ساز اور فتنہ پرور سماجی و اخلاقی برائیوں کے مرتکب افراد کو نشانہ بنایا ہے۔

علامہ کے افسانہ "گوہر مقصود" میں خیالستان کی پری (غفیرہ) کا کردار ایک غیر معمولی اور مافوق الفطرت کردار ہے۔ غفیرہ کو ایک چھوٹی سے غلطی پر خیالستان سے جلاوطن کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے وطن کی جدائی میں زار وقطار روتی

ہے۔ وہ کسی طرح اپنی خطا معاف کروا کر واپس اپنے وطن جانا چاہتی ہے۔ داراوغہ خیالستان اس کی پریشانی کے پیش نظر اس کی واپسی کی واحد صورت یہ بتاتا ہے کے اگر وہ دنیا کی سب سے انمول چیز ڈھونڈ کر لے آئے تو وہ اس کو بطور نذرانہ دربار شاہی میں پیش کر کے اس کی واپسی کی سفارش کرے گا۔ غفیرہ وطن کی محبت سے سرشار روئے زمین کی سب سے نایاب چیز ڈھونڈنے کی سعی میں لگ جاتی ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے غفیرہ کی سخت جدوجہد و مشقت کا تذکرہ افسانے میں کچھ یوں کیا گیا ہے:

> ”یہ فیصلہ قطعی تھا۔ اس کے بعد غفیرہ مدتوں جنگلوں کی خاک اڑاتی اور شہروں کی گلیاں چھانتی پھری۔ اب اس کا کام صرف اشیاء دنیوی کا مطالعہ تھا۔ رات کی نیند، دن کی بھوک، غرض اطمینان و آرام کی کوئی صورت نہ تھی۔ جنگل کے پھل کھا کر پیٹ بھر لیتی اور چشموں کے پانی سے پیاس بجھاتی۔ گھڑی آدھ گھڑی کسی درخت کے نیچے پڑ رہی نیند کا غلبہ ہوا۔ آنکھ لگ گئی۔ ہوشیار ہوئی۔ اور اپنی دھن میں ہڑبڑا کر دوڑی۔“[۱۴]

غفیرہ نگر نگر کی ٹھوکریں کھا کر مشکلات و تکالیف کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے باری باری دنیا کی پانچ مختلف نایاب و منفرد چیزیں لا کر داروغہ کی خدمت میں پیش کرتی ہے داروغہ اس کی ہمت اور حوصلے کی داد دیتا ہے مگر ان چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی دنیا کی انمول چیز نہیں گردانتا۔ مسلسل ناکامیوں کے بعد بھی غفیرہ نے پرعزم انداز میں اپنی کوشش جاری رکھتی ہے اور چھٹی مرتبہ وہ گوہر نایاب (محبت) کو درواغہ تک پہنچا کر اپنی مراد پا لیتی ہے۔ خیالستان کی پری کے اس کردار کے ذریعے، جہد مسلسل، ہمت و استقلال اور وطن دوستی جیسے جذبوں کو فروغ دیا گیا ہے۔

افسانہ ”شہید مغرب“ کا کردار ”مریم“ بھی راشد الخیری کے بہترین کرداروں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک متحرک کردار ہے جس میں حالات و واقعات کی مناسبت سے انقلاب دیکھنے کو ملتا ہے۔ مریم ایک مسیحی خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہوتی ہے۔ جو ادہم نامی مسلم لڑکے سے محبت کرتی ہے۔ وہ ادہم کو چاہنے کے باوجود اپنی شادی کا فیصلہ اپنے والدین پر چھوڑ دیتی ہے۔ مگر جب اس کے والدین مچل نامی مسیح لڑکے کے مقروض ہو کر مریم کی شادی اس سے کروانا چاہتے ہیں تو مریم ادہم کے ساتھ بھاگ کر شادی کر لیتی ہے اور مذہب اسلام قبول کر لیتی ہے۔ وہ انتہائی وفادار بیوی ثابت ہوتی ہے اور اپنے شوہر اور بچوں سے بے انتہا محبت کرتی ہے۔ مگر اسلام کی محبت نو مسلم مریم کے دل میں اس محبت سے کئی گنا زیادہ جاگزیں ہوتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کو طرابلس کے مسلمانوں پر اطالوی فوج کے ظلم و ستم کے خلاف ترک فوج کے ہمراہ جہاد کے لیے ابھارتی ہے۔ مگر ادہم اس بدگمانی میں انکار کر دیتا ہے کہ میرے جانے کے بعد کہیں مریم مچل کے قرض کے عوض جیل کاٹتے ہوئے باپ کی رہائی کے لیے مچل سے معافی مانگنے نہ چلی جائے۔ کچھ دن بعد گیارہ ماہ کے شیر خوار بچے (احمد) کو تنہا چھوڑ کر مریم اپنے بڑے بیٹے (محمود) کے ہمراہ کہیں غائب ہو جاتی ہے۔ ادہم مریم کے یوں بچے کو تنہا چھوڑ کر

چلے جانے پر اس کو بے وفا سمجھتا ہے۔ معصوم احمد ماں کی مفارقت میں تڑپ تڑپ کر دم دے دیتا ہے۔ ادہم مریم کی خواہش کی تکمیل کے لیے طرابلس کی جنگ میں شرکت کرتا ہے اور جوانمردی سے لڑتے ہوئے شہید ہوتا ہے۔ ادہم کی شہادت پر میدان جنگ میں مریم ترک فوج کے نائب کمانڈر کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور اپنے خاوند کو سپرد خاک کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں پر اپنی حقیقت آشکار کرتی ہے کہ وہ بقائے اسلام کے لیے اپنے دو بیٹوں اور شوہر کو قربان کر دینے والی ایک خوش نصیب عورت ہے اور دیور کے نام نصیحت آموز خط لکھ کر خود بھی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جام شہادت نوش کرتی ہے۔ علامہ نے اس کردار کے ذریعے حمیت اسلام کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دینے والوں کے ایثار و استقلال کو بیان کیا ہے اور ملت اسلامیہ کے استحکام پر زور دیا ہے۔

راشد الخیری کے حزنیہ افسانے ''سوکن کا جلاپا'' میں مرکزی کردار ''محمودہ'' کی زندگی کی کہانی کو انتہائی دردانگیز انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ محمودہ اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھی۔ والدین کے سائے میں محمودہ کو زندگی کی ہر ایک آسائش میسر تھی۔ بدنصیبی سے محمودہ کی شادی اس کے ماموں زاد سے ہوتی ہے۔ شوہر انتہائی تند مزاج اور ساس روایتی ساسوں سے بھی زیادہ جابر ہوتی ہے۔ رہی سہی کسر ایک فسادن نند پوری کر دیتی ہے۔ نازوں سے پلی محمودہ کی زندگی سسرال میں اجیرن ہو جاتی ہے۔ محمودہ ہر ممکن اپنے شوہر اور اسے کے گھر والوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ نوکرانیوں کی طرح ان کے ہر حکم کی تکمیل کرتی مگر پتھر دل ساس اور نند نے اپنی روش نہ بدلی۔ طعنے، کوسنے اور صلواتیں سن کر بھی محمودہ لب بستہ رہی۔ اسے بے سلیقہ اور غیر مہذب کا خطاب دے کر اس پر سوکن لا بٹھائی جاتی ہے۔ سوکن اپنے رنگ دکھاتی ہے اور جھوٹا الزام لگا کر بے قصور محمودہ کو معصوم بچے سمیت گھر سے بھی نکلوا دیتی ہے۔ محمودہ کے گھر بدر ہونے کو افسانہ میں کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''خدا ایسی بپتا کسی پر نہ ڈالے۔ برس کا برس دن۔ عید کا روز۔ دنیا اپنے گھر کو جھاڑ بہاڑ رہی تھی اور محمودہ بدنصیب کا گھر اجڑ رہا تھا۔ کیسے شقی القلب لوگ تھے کہ مظلوم کی فریاد پر ایک کا دل نہ پسیجا اور کھڑے کھڑے نکال باہر کیا۔ گھس لگانے کو آدمی نہیں۔ آدھی کوڑی پلے نہیں۔ بچے کو لے چھوٹے مکان میں چلی آئی۔ جل بھن کر دن گزارا۔ رو دھو کر رات کاٹی۔''(۱۵)

گھر سے نکالنے کے بعد بھی ظالموں کا ظلم ختم نہ ہوا اور نت نئی اذیتیں دے کر محمودہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ علامہ کا یہ مظلوم نسوانی کردار سماجی رویوں پر ایک سوالیہ نشان؛ عورت کا سب سے بڑا دشمن عورت ہی کا غماز اور مشرقی روایات کا علم بردار ہے۔

افسانہ ''تفسیر عبادت'' میں علامہ راشد الخیری نے مرکزی کردار ''حبیبہ'' کو عورت کے روپ میں ایک فرشتہ دکھایا

ہے۔ حبیبہ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہونے کے ساتھ ساتھ وظائف ونوافل کو انتہائی اہتمام سے ادا کرتی ہے۔ حبیبہ کا شوہر محسن شادی کے چند روز اپنی نمازی پرہیز گار بیوی سے انتہائی خوش رہتا ہے مگر جب بیوی کے اوراد و وظائف میں مزید طوالت آتی ہے اور عائلی امور متاثر ہونے لگتے ہیں تو شوہر حبیبہ سے عبادات کے ساتھ گھر داری پر بھی توجہ دینے کی درخواست کرتا ہے مگر حبیبہ اپنے وظائف ونوافل کے سامنے تمام کاموں کو لغو اور فضول خیال کرتی ہے اور شوہر کی درخواست کو یہ کہہ کر رد کر دیتی ہے:

> ''تو کیا وظیفہ چھوڑ دوں؟ میاں: توبہ توبہ میں کفر کی بات کیوں کہوں۔ بیوی: کہہ تو رہے ہو۔ میاں: رات کو پڑھ لیا کرو۔ بیوی: رات کا رات کو پڑھتی ہوں صبح کا صبح کو۔ میاں: صبح کا بھی رات کو پڑھ لیا کرو۔ بیوی: مسلمان ہوں مرنا ہے تمہارے واسطے خدا کو نہیں چھوڑ سکتی۔''[۱۶]

حبیبہ اپنی عبادات میں منہمک رہتی ہے اور اپنا زیور بیچ کر اپنے چچا کے ساتھ محسن کی مرضی کے خلاف حج پر جانے کا قصد کرتی ہے۔ حج پر جانے سے قبل پیر صاحب سے الوداعی ملاقات کے لیے جاتی ہے۔ پیر صاحب محسن کی زبانی حبیبہ کے تمام معمولات سے آگاہ ہوتے ہیں وہ حبیبہ کو حقوق العباد کی اہمیت پر وعظ کرتے ہیں۔ ان کی نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور وہ عائلی امور میں بھی دلچسپی لینا شروع کر دیتی ہے۔ حبیبہ کے اس کردار کے ذریعے علامہ نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ انسان ایک سماجی مخلوق ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ بہت سارے رشتے اور افراد جڑے ہوتے ہیں جن کے اس پر چند حقوق ہوتے ہیں۔ اگر کوئی انسان ترک دنیا کر کے عبادات میں ہی منہمک ہو کر رہ جائے اور خدا کی رضامندی کو مقدم خیال کر کے تمام رشتے ناتے چھوڑ دے تو اس کا یہ فعل حقوق العباد میں کوتاہی اور خدا کی ناراضی کا سبب ہو گا۔

افسانہ ''شہید معاشرت'' کا کردار ''فیروز'' ایک کمزور، بے بس اور وفا شعار کردار ہے۔ اس کردار کے ذریعے علامہ نے ایک عورت کی وفا کی حد کو بیان کیا ہے جو اپنی شوہر کی لاکھ بے اعتنائی کے باوجود بھی اپنی خدمت واطاعت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی۔ لاکھ ظلم سہہ کر بھی اپنے منہ سے شکوہ کا ایک لفظ بھی نہیں نکالتی۔ یہاں تک کہ اپنی وفا و محبت کو ثابت کرنے کے لیے اپنی جان تک دے دیتی ہے۔ فیروز کے اس کردار کے ذریعے علامہ نے ہندوستانی معاشرے میں موجود ہزاروں ایسی عورتوں کی کہانی بیان کی ہے جو ساری عمر مردوں کی چاکری اور وفاداری میں گزار دیتی ہیں مگر ایک نادانستہ غلطی کی قیمت بھی انہیں اپنی جان دے کر ادا کرنی پڑتی ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں مرد کی حاکمیت اور عورت کی ناقدری اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ جہاں عورت کو اس کے بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے اور اس محرومی کو پھر وفا، محبت اور قربانی جیسے فرضی نام دے کر حقوق نسواں کا کھلم کھلا استحصال کیا جاتا ہے۔ مرد اپنی حاکمیت اور برتری کا فائدہ اٹھاتا ہوا سماج میں مختار کل بنا ہوا ہے اور عورت کو قدغن و ممانعت کی باڑ میں گھیرے ہوئے اپنی باندی اور غلام بنا رکھا ہے۔

الغرض علامہ کے افسانوں کا ہر کردار ان کے زمانے کی سماجی زندگی کا علم بردار ہے۔ علامہ نے اپنی کہانیوں میں ان کرداروں کی مدد سے معاشرتی و ثقافتی رنگ بھر کر اصلاح معاشرہ کا اہم فریضہ سرانجام دیا۔ علامہ راشد الخیری ہندوستان کی معاشرتی زندگی میں ایک تبدیلی لانا چاہتے تھے وہ اپنے معاشرے کو ایک قابلِ رشک معاشرہ بنانا چاہتے تھے۔ وہ تمام معاشرتی برائیوں کا خاتمہ چاہتے تھے اور معاشرے کو اعلیٰ اخلاقی و تمدنی قدروں سے روشناس کرانا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں جو کردار منتخب کیے گئے ہیں وہ کہانیوں میں اس طرح جلوہ گر ہوتے ہیں جیسے کوئی ریفارمر لوگوں کی اصلاح کے لیے میدان عمل میں آتا ہے۔ علامہ راشد الخیری اپنے اندرونی محرکات کی ڈور اپنے کرداروں کے ہاتھوں میں تھما کر کہانی کے ہر کردار کے اندر جھانک کر اس میں اپنے خیالات و نظریات کی روح پھونک دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوی کردار ان کی سوچ اور فکر کے بہترین عکاس ثابت ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ وقار عظیم، سید، علامہ راشد الخیری (تنقیدی مقالات)، لاہور: گنج شکر پریس، ۲۰۱۶ء، ص:۵
۲۔ عصمت (دہلی)، جلد نمبر ۵۷، شمارہ، جولائی واگست ۱۹۳۶ء، ص:۱۲۱
۳۔ عصمت (دہلی)، جلد نمبر ۵۷، شمارہ نمبر ۱۔۲ جولائی واگست ۱۹۳۶ء، ص:۱۲۵
۴۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء، ص:۳۵
۵۔ وقار عظیم، سید، علامہ راشد الخیری (تنقیدی مقالات)، ص:۱۸۵
۶۔ علامہ راشد الخیری، افسانہ روئے مقصود، مشمولہ: قطرات اشک، دہلی: عصمت بک ڈپو، ۱۹۴۴ء، ص:۱۰۷
۷۔ علامہ راشد الخیری، افسانہ خدا فراموش، مشمولہ: خدائی راج، دہلی: الجمیہ پریس، س۔ن، ص:۱۰۷
۸۔ علامہ راشد الخیری، محروم وراثت، مشمولہ: طوفان اشک، دہلی: عصمت بک ایجنسی، ۱۹۹۲ء، ص:۴
۹۔ علامہ راشد الخیری، حج اکبر، مشمولہ: سیلاب اشک، دہلی: عصمت بک ڈپو، ۱۹۲۴ء، ص:۶۸
۱۰۔ علامہ راشد الخیری، بدنصیب کالال، مشمولہ: قطرات اشک، لاہور: دارالاشاعت، ۱۹۳۶ء، ص:۳۷
۱۱۔ علامہ راشد الخیری، مچھرن شہزادی، مشمولہ: دلی کی آخری بہار، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص:۲۵
۱۲۔ علامہ راشد الخیری، مچھرن کا جھولا، مشمولہ: خدائی راج، ص:۱۳
۱۳۔ وقار عظیم، علامہ راشد الخیری (تنقیدی مقالات)، ص:۱۷۶۔۱۷۷
۱۴۔ علامہ راشد الخیری، خیالستان کی پری، مشمولہ: گوہر مقصود، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۳۷ء، ص:۹
۱۵۔ علامہ راشد الخیری، سوکن کا جلاپا، لاہور: دارلاشاعت پنجاب، ۱۹۴۷ء، ص:۳۳
۱۶۔ علامہ راشد الخیری، تفسیر عبادت، مشمولہ: طوفان اشک، ص:۶